خطباتِ بہاولپور

(تعارف اور مشہور روایات کا تنقیدی جائزہ)

* ڈاکٹر محمد ھمایوں عباس شمس

اَلْخَطْبُ والمخاطَبَۃ'' والتَّخَاطب ، باہم گفتگو کرنا، ایک دوسرے کی طرف بات لوٹانا اسی سے خُطْبَۃ'' اور خِطْبَۃ'' کا لفظ ہے لیکن خُطْبَۃ'' وعظ و نصیحت کے معنی میں آتا ہے اور خِطْبَۃ'' کے معنی ہیں نکاح کا پیغام اصل میں خطبہ اس حالت کو کہتے ہیں جو بات کرتے وقت ہوتی ہے۔ (۱،۲)

قرآن کریم نے انبیائے کرام کے خطبات کا ذکر کیا تا کہ انسانیت فوز و فلاح کی صراط مستقیم کو گم نہ کر دے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل میں قیدیوں کو جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ صرف توحید کی عظمت و شوکت کا آئینہ دار ہی نہیں بلکہ کار رسالت کی نازک ذمہ داریوں کو بھی واضح کرتا ہے۔ انسانی حقوق کی رہتی دنیا تک جب بھی بات ہوگی نبی آخر الزماں ﷺ کا خطبہ حجۃ الوداع انسانیت کے قلوب و اذہان کو حقائق و معارف کی نئی دنیاؤں سے آشنا کرتا رہے گا۔

برصغیر میں غالباً پہلی بار مدراس کے علاقہ میں ساؤتھ انڈین مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی کے زیر اہتمام خالص علمی و فکری لیکچرز کا اہتمام ''خطبات'' کے نام سے ہوا۔ جس میں علامہ سید سلیمان ندویؒ اور علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ جیسے اساطین ملت نے اپنی برسوں کی تحقیقات کو اپنے محاضرات کی صورت میں عوام کے سامنے رکھا۔ خطبات کے نام سے جب یہ فکری گفتگو شائع ہوئی تو لیل و نہار کی گردش نے ان کی افادیت میں کمی نہ آنے دی بلکہ ان سے استفادہ کا رجحان روز افزوں ہوتا رہا۔ اس علمی روایت کی یاد کو ایک بار پھر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور نے ۲۰ / مارچ ۱۹۸۰ء کو تازہ کیا جہاں عالم اسلام کے عظیم سکالر ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ۱۲ خطبات ارشاد فرمائے۔

---

* لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، لاہور۔

ڈاکٹر صاحب مغرب کی دنیا میں اسلام کے سفیر تھے۔آپ کو اسلامی علوم سے عشق تھا، بلند پایہ عالم ہونے کے باوجود عجز وانکساری کا پیکر تھے۔آپ کی تحقیقات میں روشن خیالی کے ساتھ ساتھ مشرقی ومغربی علوم کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔آپ وحدت امت کے داعی تھے۔آپ کی تصانیف کی تعداد ۲۰۰ سے زائد بتائی جاتی ہے اور ۱۰۰۰ سے زائد مقالات (جن میں اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ کے لیے لکھے گئے ''آ سے ی'' تک ۳۲ مختلف مقالات بھی ہیں) آپ نے علمی ورثہ میں چھوڑے۔خطوط ان کے علاوہ ایک علمی خزانہ ہیں۔آپ کی شائع شدہ کتب میں ''خطباتِ بہاولپور'' کو مقبولیت عامہ حاصل ہوئی۔ ماہنامہ ''معارف اعظم گڑھ'' میں ان خطبات کا تعارف کرواتے ہوئے مولانا ضیاء الدین اصلاحی لکھتے ہیں کہ:

''اسلامی امور کے ماہر اور نامور فاضل ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کی دعوت پر بارہ (۱۲) خطبے دیے تھے۔زیر نظر کتاب ان ہی کا مجموعہ اور یونیورسٹی کے مجلّہ مفکر کا خاص نمبر ہے۔شروع کے چار۴ خطبوں میں اسلام کے بنیادی مآخذ یعنی قرآن وحدیث اور فقہ واجتہاد کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔پہلے خطبہ میں قرآن مجید کی جمع وتدوین کے سلسلہ میں گذشتہ آسمانی کتابوں کا ذکر بھی آگیا ہے۔اس میں بتایا ہے کہ سابقہ صحف وکتب میں بعض تو سرے سے موجود ہی نہیں اور جدید تحقیقات سے جن کتابوں کے کچھ اوراق و مندرجات دریافت ہوئے ہیں ان کے صحیفہ ربانی ہونے کا کوئی یقینی ثبوت نہیں۔اس بحث کے آخر میں عہد نامہ قدیم وجدید کا تذکرہ ہے۔اس میں توریت کی متعدد بار گمشدگی کا ذکر کیا ہے، جو اس کا ثبوت ہے کہ وہ بعینہٖ کلام الٰہی نہیں ہے۔اسی طرح مروجہ چاروں انجیلوں کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ دراصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح عمری ہیں۔اس لیے استناد کے لحاظ سے سب مسلمانوں کی کتب سیرت کے ہم پایہ ہیں۔ پھر قرآن مجید جس محفوظ صورت میں مسلمانوں تک پہنچا ہے اس کی تفصیل پیش کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے آنحضرت ﷺ کی مکی زندگی کے ایسے واقعات تحریر کیے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ شروع ہی سے قرآن مجید کی نقل وکتابت اور جمع وتدوین کا کام انجام پاتا رہا ہے۔نیز آپ نے اپنی

وفات کے وقت اسے مرتب و مدون حالت میں چھوڑا تھا اس کے بعد عہدِ صدیقی و عہدِ عثمانی کی جمع و ترتیب کی صحیح نوعیت بتائی ہے۔

دوسرے خطبہ میں حدیث کی دینی اہمیت واضح کرنے کے بعد عہدِ نبوی ﷺ کے تحریری سرمایے کا مفصل جائزہ لے کر دکھایا ہے کہ اس عہد میں تحریر و کتابت کا رواج بھی تھا اور احادیث کے علاوہ آپ ﷺ کے مراسلے وغیرہ بھی قلمبند کئے گئے تھے۔ پھر صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد کے زمانہ میں آپ ﷺ کے اقوال و افعال جس مستند طریقہ پر مرتب کئے گئے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کی مثال دوسری قوموں کے انبیاء کے حالات تو درکنار ان کی مذہبی و آسمانی کتابوں کی ترتیب میں بھی نہیں ملتی۔ تیسرے خطبہ میں فقہ اسلامی کی تاریخ بیان ہوئی ہے۔ اس ضمن میں اس کی تشکیل، نشو و نما، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں اس کی باقاعدہ تدوین اور اس کے اہم مآخذ و مصادر پر سیر حاصل گفتگو کی ہے اور اس زمانہ کے رائج ''رومن لاء'' پر اس کی برتری بھی دکھائی ہے۔ چوتھا خطبہ اصول فقہ و اجتھاد کی تاریخ پر مشتمل ہے۔ اس میں اس کی وضاحت کی ہے کہ اسلامی قانون کی تدوین کس طرح عمل میں آئی اور نئے مسائل کو قرآن و سنت کی روشنی میں کس طرح حل کیا جاتا تھا۔ نیز دور حاضر کے اجتہادی مسائل میں اجماع کی صورت کیا ہے۔ پانچواں خطبہ بڑا اہم ہے، یہ قانون بین الممالک پر ہے، اس میں دو مملکتوں کے باہمی تعلقات کے اصول و قوانین پر روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ مسلمانوں کے یہاں اس کا آغاز کس طرح ہوا۔ سیر کی اصطلاح اور اس موضوع پر مسلمان علماء و فقہا کی مختلف تصنیفات اور ان کے مندرجات پر بحث کر کے انٹرنیشنل لاء کے سلسلہ میں ان کی اہمیت واضح کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب پورے وثوق سے فرماتے ہیں کہ اس علم کو وجود بخشنے والے مسلمان ہیں، وہ قدیم یونانی اور رومی اور موجودہ یورپی دور میں انٹرنیشنل لاء کے رواج کی پرزور تردید کرتے ہیں۔ چھٹا خطبہ دین پر ہے۔ اس میں حدیث جبرئیل علیہ السلام کی روشنی میں عقائد و ایمانیات،

اسلامی عبادات اور احسان وتصوف کی حقیقت واہمیت بہت دلنشین انداز میں واضح کی ہے۔ آخر کے دوخطبوں میں سیرتِ نبوی ﷺ کے مختلف پہلوؤں پر عالمانہ گفتگو کی ہے۔ اس سلسلہ کے پہلے خطبہ میں آنحضرت ﷺ کی مملکت کے نظم ونسق کا ذکر ہے۔ اس میں آپ سے قبل عرب کے عام نظم ونسق، دفاع، مالیہ، عدلیہ اور تعلیم وتربیت وغیرہ مختلف شعبوں کا ذکر ہے۔ اسکے بعد دفاع وغزوات پر ایک مستقل خطبہ ہے۔ نویں خطبہ میں دور نبوت کے نظام تعلیم اور آپ ﷺ کے علوم کی سرپرستی فرمانے کا تذکرہ ہے۔ ایک خطبہ میں عہدِ نبوی ﷺ کے تشریعی نظام اور عدلیہ پر مفید گفتگو کی ہے ایک اور خطبہ میں مالی نظام اور تقویم پر بحث کی گئی ہے۔ آخری خطبے میں رسول اللہ ﷺ کی تبلیغ اسلام کے طریقے اور غیر مسلموں کے ساتھ آپ کی رواداری اور شریفانہ برتاؤ کی تفصیل پیش کی ہے خطبوں کے بعد ڈاکٹر صاحب سے سوالات کیے جاتے تھے اور وہ ان کے جواب دیتے تھے۔ ہر خطبہ کے آخر میں یہ سوال وجواب بھی درج ہیں جو دلچسپ اور معلومات سے پر ہیں۔ اسلامی علوم کی تاریخ، قانون بین الممالک اور عہدِ نبوی ﷺ کا نظامِ دفاع وتعلیم وغیرہ پر ڈاکٹر صاحب کی مستقل کتابیں پہلے چھپ چکی ہیں اور وہ ان موضوعات پر برابر غور وفکر اور تحقیق فرماتے رہے ہیں۔ اس لئے یہ خطبے ان کے برسوں کے مطالعہ کا نچوڑ ہیں۔'' (۳)

ضیاء الدین اصلاحی کے بقول خطبات ''مدلل، پُرمغز، بصیرت افروز اور عہد حاضر کے رجحان کے مطابق ہیں۔ (۴)

اس کے پہلے ایڈیشن میں بعض سنگین نوعیت کی غلطیاں بھی رہ گئیں جن کی طرف اشارہ ڈاکٹر صاحب نے خود تبصرہ شائع ہونے کے بعد ایک خط میں کیا۔ آپ لکھتے ہیں:

''معارف میں خطباتِ بہاولپور کی تحلیل دیکھی، تمنا تو تنقید وتصحیح کی تھی، معلوم نہیں اسکا ۲۲ صفحوں کا غلط نامہ آپ کو ملا ہے یا نہیں؟ کئی دفعہ کافروں کو بھی حضرت............رضی اللہ عنہ لکھ ڈالا ہے۔'' (۵)

خطبات کی مقبولیت اورافادیت کے باوجودان پرنقدواستدراک بھی ہوااورتحقیقی کام بھی مثلاً مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی نے''عورت کی سربراہی اورڈاکٹرحمیداللہ کا استدلال'' کے عنوان سے ڈاکٹر صاحب کے نقطۂ نظر پر تنقید کی ہے۔(۶) مولانا محمد زاہد نے بھی آپ کے خطبات ونظریات پر غیرعلمی اور غیر سنجیدہ اندازِ تحقیق کی جو کہ کراچی سے شائع ہوچکی ہے۔(۷) اس طرح ڈاکٹر احمد حسن کا ایک تنقیدی خط سہ ماہی ''فکرونظر'' اسلام آباد میں ڈاکٹرصاحب کے جواب کے ساتھ شائع ہوا۔(۸) دوسری طرف ان خطبات کی افادیت کے پیش نظر Emergance of Islam کے نام سے انگریزی ترجمہ شائع ہوا۔ خطبات کے بارھویں خطبہ ''تبلیغ اسلام اور غیرمسلموں سے برتاؤ'' کے حوالہ جات کی تخریج پروفیسر محمد سجاد نے کی۔(۹)

ڈاکٹر محمد حمیداللہ ایک وسیع المطالعہ شخصیت تھی ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے محدّثین کے سلسلہ رواۃ کی طرح کتابت حدیث کی سند کو بھی عہد رسالت تک متصل کر دکھایا لیکن وہ معروف معنوں میں محدث نہ تھے یہی وجہ ہے کہ خطبات میں وہ بعض ضعیف یا موضوع روایات سے استدلال کرتے ہوئے بھی نظر آتے ہیں اور یہ بات عیب بھی نہیں کیونکہ وہ بنیادی طور پر مؤرخ تھے۔ڈاکٹر محمد حمیداللہ کے بارے میں ایک مضمون پرادارۂ محدّث نے جونوٹ لکھا وہ بھی درج بالا مؤقف کی وضاحت کرتا ہے:

> ''ڈاکٹر محمد حمیداللہ مرحوم کا احادیث کی تدوین واشاعت کے سلسلے میں کام واقعۃً بہت عظیم ہے اورمرحوم کا امتیازی تخصص تاریخ وآثار ہی تھا جبکہ تحقیق حدیث میں ان کے بعض رجحانات وآراء ایسی ہیں جن سے اتفاق کرنا بڑا مشکل ہے۔ چنانچہ تحقیق حدیث کے سلسلے میں فن حدیث کے اصول وقواعد کی پابندی کی بجائے آپ تاریخی تحقیق کے منہاج کو ہی کافی سمجھتے تھے۔''(۱۰)

ڈاکٹر محمود احمد غازی کا یہ کہنا بھی بجا طور پر صحیح ہے کہ علم حدیث میں ان کے کام کی حیثیت ایک خاص انداز کی ہے۔ وہ معروف معنوں میں محدّث نہیں کہلائے انہوں نے علم حدیث کی تدریس کا اس انداز سے کام نہیں کیا جیسا کہ علم حدیث کے اساتذہ کرتے ہیں لیکن علم حدیث میں وہ ایک منفرد مقام کے حامل ہیں۔ (۱۱)

مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ علم اسماء الرجال کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور اس کی اہمیت کے قائل تھے جس کا اندازہ آپ کے ان الفاظ سے لگایا جاسکتا ہے۔ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے ضمناً فرمایا:

''اسی طرح اس بارے میں اولاً یہ بھی معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ آیا یہ روایت صحیح بھی ہے یا نہیں چنانچہ ان راویوں کی سوانح دیکھنی ہوں گی اور یہ معلوم کرنا ہوگا کہ ان راویوں کے متعلق ہمارے علمائے سلف نے کیا رائے قائم کی۔ (۱۲)

ان خطبات کی چند روایات (تفسیر کے متعلقہ دو موضوع بھی زیر بحث آئے ہیں) کا محدّثین کے اصول پر تنقیدی جائزہ پیش خدمت ہے۔راقم نے ڈاکٹر صاحب کی رائے یا پیش کردہ نقطۂ نظر کو مختصراً نقل کر کے اس مؤقف کے بارے میں ائمہ اعلام کی آراء درج کر دی ہیں اور زیادہ طوالت سے احتراز کیا ہے۔

۱۔ مفسرین نے حروف مقطعات کے بارے میں مختلف آراء کا اظہار کیا ہے۔ایک روایت میں ہے کہ ان حروف کی عددی قیمت ہے اور ان سے یہود نے مختلف قیاسات کئے۔اس روایت کی طرف ڈاکٹر صاحب نے بھی اشارہ فرمایا۔ (۱۳)

لیکن امام ابن کثیر نقلی و عقلی اعتبار سے رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس حدیث کا دارومدار محمد بن سائب کلبی پر ہے اور اس روایت میں وہ منفرد ہے۔ایسی روایات کو محدّثین نے حجت نہیں مانا۔اس طرح اگر مان لیا جائے اور ہر حرف کے عدد نکالے جائیں تو جن چودہ حروف کو ہم نے بیان کیا ہے ان کے عدد بہت ہو جائیں گے اور جو حروف ان میں کئی بار آئے ہیں اگر ان کے عدد کا شمار بھی کئی بار لگایا جائے تو بہت بڑی گنتی ہو جائے گی۔ (۱۴)

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ معروف ہے لیکن محدّثین کو اس کی سند پر کلام ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بھی اس مشہور قصہ کا ذکر کیا ہے۔ (۱۵)

اس قصہ کے بارہ میں امام ہیثمی نے لکھا ہے کہ اس میں اسامۃ بن زید بن اسلم ضعیف راوی ہے اور حاشیہ میں

محقق نے لکھا کہ اس روایت میں اسامہ سے بھی زیادہ اسحٰق بن ابراھیم الحنینی ضعیف ہے۔امام ذھبی نے قبول اسلام کی اس روایت پر تبصرہ ان الفاظ میں کیا:

قلت:حدث عنه اسحاق الأرزق بمتن محفوظ وبقصة إسلام عمر: وهی منكرة جدًا۔ (١٦)

امام زیلعی کے تنقیدی الفاظ بھی ملاحظہ فرمائیں:

قال الدارقطنی:تفرد القاسم ابن عثمان وليس بالقوی وقال البخاری له احاديث لايتابع عليها۔ (١٧)

٣۔ عہدِ عثمانی میں سرکاری نسخوں کے علاوہ دیگر نسخوں کو تلف کرنے کا حکم دیا گیا۔ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:
''تاریخی طور پر کسی ایسے واقعہ کا ذکر نہیں ملتا۔'' (١٨)

حالانکہ صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں:

''وامر بماسواه من القرآن فی كل صحيفة اومصحف أن يحرق۔'' (١٩)

٤۔ کتابت حدیث کے جواز کیلئے ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے

استعن بيمينك۔(٢٠)

امام ترمذی نے خود اس روایت کے بارہ میں لکھا ہے:

سمعت محمد بن اسمعيل يقول:الخليل بن مرة منكر الحديث۔ (٢١)

اورعبدالرحمٰن مبارکپوری لکھتے ہیں: فالحديث ضعيف منكر.(٢٢)

٥۔ حدیث جبرائیل کے ضمن میں ڈاکٹر صاحب نے لکھا کہ اس دفعہ آپ کو جبرئیل کے پہچاننے میں دشواری ہوئی۔(٢٣)

مجمع الزوائد میں اصل الفاظ یوں ہیں:

''والذی نفس محمد بیدہ ماجاء نی قط الاوانا اعرفه الأن تکون هذه المرۃ رواه احمد۔''

لیکن ساتھ ہی امام نے وضاحت فرمائی ہے:

''فی اسنادہ شہر بن حوشب۔'' (۲۴)

شہر بن حوشب کے بارے میں مختلف آراء کا جو خلاصہ تقریب التھذیب میں پیش کیا گیا ہے وہ یہ ہے:

''کثیر الارسال والاوہام'' (۲۵)

۶۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''التحیات کے معنی ہیں آداب عرض کرنا۔ یہ چیز معراج کے واقعہ سے لی گئی ہے۔ حضور ﷺ جب معراج کے موقعہ پر اللہ کے حضور میں پہنچے تو حضور ﷺ نے التحیات کہا اس پر.........الخ۔ (۲۶)

محدثین کے ہاں اس روایت کی کوئی سند موجود نہیں۔ عبدالسلام مبارکپوری لکھتے ہیں:

''وھذا المروی لم اقف علی سندہ۔'' (۲۷)

علامہ یوسف بنوریؒ نے اس روایت کے مآخذ کی تصریح ان الفاظ میں کی ہے:

''وذکر بعض الحنفیه۔'' (۲۸)

پھر لکھتے ہیں:

قال الشیخ:ولم أقف علی سندھذہ الروایات غیرانه ذکرھا فی الروض الانف۔(۲۹)

۷۔ کعبہ کی تعمیر کے بارے میں ڈاکٹر صاحب نے تحریر فرمایا کہ یہ آدم علیہ السلام کے زمانہ اقدس میں تعمیر ہوا(۳۰)

لیکن محقق علماء نے ایسی تمام روایات جن سے کعبہ کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ثابت ہوتی ہے قابل اعتناء نہیں سمجھا۔ایسی روایات کے بارے میں ابن کثیر نے کہا ہے کہ اس میں سے کوئی بھی نبی کریم ﷺ سے صحیح ثابت نہیں اور یہ ساری اسرائیلیات میں سے ہیں۔ (۳۱)

علامہ آلوسی(۳۲)،امام حلبی(۳۳)،سرسید احمد خاں(۳۴)،رشید رضا مصری(۳۵)،عبدالرحمٰن البنا (۳۶) قاضی سلمان منصور پوری(۳۷)،پیر محمد کرم شاہ(۳۸) جیسے محققین نے ڈاکٹر حمید اللہ اور دیگر علماء کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا کہ کعبہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں تعمیر ہوا۔قوی دلائل ڈاکٹر صاحب کی رائے کی تائید نہیں کرتے۔تفصیلات کیلئے ملاحظہ فرمائیے راقم کی کتاب ''کعبہ''۔

ڈاکٹر صاحب کا یہ فرمانا کہ اگر کعبہ نہیں تھا تو پھر لوگ کس طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔(۳۹) بہت قوی اعتراض معلوم ہوتا ہے مگر اس کا جواب اس حدیث صحیح کی روشنی میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔

> حضرت عبداللہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
>
> ''اے بھتیجے! میں نے نبی ﷺ کی بعثت سے دو سال پہلے نماز پڑھی ہے۔میں نے پوچھا: کس طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے؟ انہوں نے کہا جس طرف بھی اللہ تعالیٰ منہ کر دیتا تھا۔''(۴۰)

کعبہ کے ہوتے ہوئے حضرت ابوذر اس کیفیت کا ذکر کر رہے ہیں اگر اسی کیفیت کو حضرت ابراھیم علیہ السلام سے قبل مان لیا جائے تو کیا حرج ہے۔

۸۔ ہمارے ہاں معروف ہے کہ لونڈیوں کیلئے شرعی پردہ نہیں ہے۔ڈاکٹر صاحب نے بھی اس طرف اشارہ کیا(۴۱) اس کے جو مفاسد ہیں ان کے پیش نظر ابوحیان اندلسی نے اس رائے سے اتفاق نہیں کیا کہ لونڈیوں کو پردہ نہ کرنے کی اجازت تھی بلکہ وہ لکھتے ہیں کہ حجاب کا حکم آزاد اور لونڈیوں سب کیلئے تھا۔یہی دین اسلام

کی حکمتوں کے عین مطابق ہے محمد علی الصابونی نے بھی ابوحیان اندلسی کی رائے سے اتفاق کیا۔

اس بحث کے آخر میں الصابونی لکھتے ہیں:

"وما اختاره(ابوحیان)هوالذی نختاره لانه یحقق غرض الاسلام فی التستر والصیانة والله اعلم." (۴۲)

ابن قیم لکھتے ہیں:

''جولونڈیاں جہاد سے حاصل ہوتی ہیں ان کے بارہ میں تو عادت پردے کی ہی ہے'' (۴۳)

۹۔ مشاورت عامہ کے ضمن میں ڈاکٹر صاحب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معروف قصہ نقل کیا ہے جس میں آپ نے مہر کی ایک خاص حد مقرر کر دی لیکن ایک عورت نے قرآن کریم سے دلیل دی تو اپنا فیصلہ واپس لے لیا (۴۴)

اس روایت کو امام بیہقی (۷/۲۳۳) نے نقل کیا ہے اور کہا ہے:

هذا منقطع۔

علامہ البانی لکھتے ہیں:

فهوضعیف منکر یرویه مجالد عن الشعبی عن عمر۔

علامہ البانی لکھتے ہیں کہ دوسری سند مصنف عبدالرزاق میں ہے اور اس میں دو علتیں ہیں:

(i) یہ روایت منقطع ہے کیونکہ عبداللہ بن حبیب بن ربیعہ کا سماع حضرت عمر سے ثابت نہیں جیسا کہ ابن معین نے کہا ہے۔

(ii) قیس بن الربیع کے حافظہ کی خرابی۔ (۴۵)

۱۰۔ علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل. (۴۶)

علماء نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔ (۴۷)

علامہ البانی لکھتے ہیں:

لااصل له باتفاق العلماء، وهو ممايستدل به القاديانية الضالة على بقاء النبوة بعده صلى الله عليه وآله وسلم۔

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس روایت کی کوئی اصل نہیں، اسی سے قادیانیوں کا گمراہ فرقہ نبی کریم ﷺ کے بعد نبوت کے اجراء کیلئے استدلال کرتا ہے۔(۴۸)

۱۱۔ ہجرت حبشہ کے حوالہ سے نبی کریم ﷺ کے خط، حضرت جعفر کی تقریر اور نجاشی کے ردعمل کا ذکر کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''کچھ اشارے ایسے ہیں جن سے گمان ہوتا ہے کہ اگر اس وقت نہیں تو بعد میں نجاشی ضرور مسلمان ہو گیا تھا۔'' (۴۹)

حقیقت حال اس سے مختلف ہے جو ڈاکٹر صاحب نے تحریر فرمائی۔ جس نجاشی نے اسلام قبول کیا وہ دوسرا نجاشی تھا نہ کہ وہ جو ہجرت حبشہ کے وقت شاہ حبشہ تھا اور اسے آپ نے مکتوب لکھا۔ صحیح مسلم کے الفاظ ہیں:

كتب الى كسرى الى قيصر والى النجاشي والى كل جبار يدعوهم الى اللّٰه تعالىٰ وليس بالنجاشي الذى صلّى عليه النبى صلى الله عليه وآله وسلم۔(۵۰)

۱۲۔ غالباً کتابت کی غلطی سے خطبات میں غزوہ احد کے ذکر میں یہ سطر چھپ گئی: ''صرف دو سوار مسلمانوں کی فوج میں تھے ایک حضرت ابو ہریرۃ اور دوسرے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنھما۔ (۵۱)

حالانکہ حضرت ابو ہریرہ نے سن ۷ ہجری میں اسلام قبول کیا اور عبداللہ بن زبیر ۱ھ میں پیدا ہوئے۔

۱۳۔ حضرت عمر غیر مسلم افسروں سے بوقت ضرورت استفادہ کرتے تھے، اس کیلئے ڈاکٹر صاحب نے ھرمزان کی مثال لکھی ہے۔ (۵۲)

لیکن بخاری میں فاسلم هرمزان کے جملہ کی تشریح کرتے ہوئے ابن حجر لکھتے ہیں:

لان إسلام الهرمزان كان بعدقتال كثير بينه وبين المسلمين بمدينة تسترثم نزل على حكم عمر فأسره ابوموسى الاشعرى وارسل به الى عمر مع انس فاسلم فصار عمريقربه ويستشيره.(۵۳)

۱۴۔ جس درخت کے نیچے بیعت رضوان ہوئی اس کے بارے میں ڈاکٹر صاحب نے لکھا(۵۴) کہ حضرت عمر نے اس درخت کو کٹوا دیا تھا لیکن اس سلسلہ کی روایات کا تحقیقی جائزہ مولانا مودودی نے لیا ہے جو کہ درج ذیل ہے

> جس درخت کے نیچے یہ بیعت ہوئی تھی اس کے متعلق حضرت نافع مولی ابن عمر کی یہ روایت عام طور پر مشہور ہوگئی ہے کہ لوگ اس کے پاس جاجا کر نمازیں پڑھنے لگے تھے، حضرت عمرؓ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے لوگوں کو ڈانٹا اور اس درخت کو کٹوا دیا۔(۵۵)

لیکن متعدد روایات اس کے خلاف بھی ہیں۔ ایک روایت خود حضرت نافع ہی سے طبقات ابن سعد میں یہ منقول ہوئی ہے کہ بیعت رضوان کے کئی سال بعد صحابہ کرام نے اس درخت کو تلاش کیا مگر اسے پہچان نہ سکے اور اس امر میں اختلاف ہوگیا کہ وہ درخت کون سا تھا۔(۵۶)

دوسری روایت بخاری و مسلم اور طبقات ابن سعد میں حضرت سعید بن المسیب کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میرے والد بیعت رضوان میں شریک تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ دوسرے سال جب ہم لوگ عمرۃ القضاء کے لیے گئے تو ہم اس درخت کو بھول چکے تھے۔ تلاش کرنے پر بھی ہم اسے نہ پا سکے۔

تیسری روایت ابن جریر کی ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں جب حدیبیہ کے مقام سے گزرے تو انہوں نے دریافت کیا کہ وہ درخت کہاں ہے جس کے نیچے بیعت ہوئی تھی، کسی نے کہا فلاں درخت ہے اور کسی نے کہا فلاں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا چھوڑو، اس تکلف کی کیا حاجت ہے۔(۵۷)

(۱۵) خطبات کے ص:۱۳۱ پر استثنائی ضرورتوں کے تحت عورت کو امام بنانے کے جواز کا ذکر کیا ہے۔ اس مسئلہ کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کی ڈاکٹر احمد حسن (متوفی ۱۹۹۶ء) سے خط و کتابت بھی ہوئی جو فکر و نظر کی

جلد ۲۶ کے جولائی۔ستمبر کے شمارہ میں ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی۔ڈاکٹر سہیل حسن نے روایات کے اصل متن نقل کر کے استفسار کیا ہے کہ کیا واقعہ حضرت ام ورقہ مدینہ منورہ میں کسی مسجد میں نماز پڑھاتی تھیں یا صرف اپنے گھر میں اپنے اہل خانہ کو نماز پڑھاتی تھیں؟ (۵۸)

زیر بحث مسئلہ میں ذہن میں آنے والے تمام سوالات بعد کے ہیں سب سے پہلے اس روایت کی اسنادی حیثیت کو پرکھنا چاہیے۔یہ معاملہ بھی فضائل سے متعلق نہیں بلکہ فقہی نوعیت کا ہے۔اس میں اعلیٰ درجہ کی صحیح روایت کی ضرورت ہے۔اس روایت کا مآخذ درج ذیل کتب ہیں:

ابوداؤد (۵۹) ،مسندامام احمد بن حنبل (۶۰) ، السنن الکبریٰ (۶۱) ،سنن دارقطنی (۶۲) ، مستدرک حاکم (۶۳) ،صحیح ابن خزیمہ (۶۴)

ان تمام روایات کا مدار الولید بن عبداللہ بن جمیع یا عبدالرحمٰن بن خلاد الانصاری پر ہے۔ان دونوں کے بارے میں ائمہ جرح وتعدیل کی آراء ملاحظہ کرنے کے بعد از خود یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دلیل میں کتنا وزن ہے؟ الولید بن عبداللہ بن جمیع کے بارے میں یہ ذکر کر کے کہ ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔امام ابن حجر لکھتے ہیں:

''وذكره ايضاً فى الضعفاء وقال ينفرد عن الاثبات بمالا يشبه حديث الثقات فلما فحش ذلك منه بطل الاحتجاج به وقال ابن سعد ثقة له احاديث وقال البزار احتملوا حديثه وكان فيه تشيع قال العقيلى فى حديثه اضطراب وقال الحاكم لولم يخرج له مسلم لكان اولى۔ (۶۵)

عبدالرحمٰن بن خلاد الانصاری کے بارے میں ابوالحسن بن القطان کی رائے یہ ہے: حاله مجهول (۶۶) ان احادیث میں اس بات کی بھی صراحت نہیں کہ مؤذن اور غلام ام ورقہ کے پیچھے نماز ادا کیا کرتے تھے۔اس بات کا احتمال ہے کہ مؤذن، اذان دینے کے بعد دوسری مسجد میں چلا جاتا ہو اور غلام بھی ایسا ہی کرتا ہو اور ام ورقہ اپنے ''دار'' کی خواتین کی امامت کرواتی ہوں اس کی تائید دارقطنی کی روایت سے ہوتی ہے۔(اس میں بھی الولید بن عبداللہ بن جمیع اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں) أن رسول الله أذن لها أن يؤذن لها ويقام وتؤم نساء ها. (۶۷)

جمہور علماء مردوں کیلئے عورت کی امامت کے قائل نہیں البتہ ابن ماجہ کی روایت جس سے استدلال کیا جاتا ہے صحیح نہیں اور عورت، خواتین کیلئے امام بنے اس میں بھی اختلاف ہے۔ (۶۸)

(۱۶) امام مہدی کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب حدیث نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: (امام مہدی کے والد کا نام) میرے باپ ہی کے نام کے مطابق ہوگا یعنی عبداللہ، اس کی ماں کا نام میری ہی ماں کے نام کے مطابق ہوگا یعنی آمنہ۔ (۶۹)

جبکہ روایات صحیحہ میں باپ کے نام کا ذکر تو آتا ہے مگر ماں کے نام کا ذکر نہیں۔

یواطئ اسمه اسمی واسم ابیه اسم ابی۔ (۷۰)

(۱۷) ڈاکٹر صاحب نے خطبات کے ص:۸۱ پر ارشاد فرمایا: ''اس طرح قاضیوں کے نام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہمیں ایک خط ملتا ہے۔''

اس روایت میں الولید بن معدان ہے انکا بیٹا عبدالملک ان سے روایت کرتا ہے امام ذھبی امام ابن حزم کے حوالہ سے لکھتے ہیں: کلاھما ساقط

اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے امام ذھبی لکھتے ہیں:

" انفرد بحدیث عمر رضی اللّٰه عنه فی کتابه الی ابی موسی أن یجتهد رأیه۔"(۷۱)

(۱۸) حدیث معاذ فقہاء کے ہاں مقبول ترین سمجھی جاتی ہے یہاں تک کہ تلقی بالقبول کے اصول سے اس کی صحت بھی ثابت کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بھی اس روایت کو ذکر کیا ہے۔(۷۲) لیکن محدّثین کے ہاں اس روایت کی صحت مشکوک ہے۔

علامہ البانی نے سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ کی دوسری جلد میں ص:۲۷۳ تا ۲۸۶ تک اس روایت پر مفصل بحث کی اور اسے منکر کہا۔ علامہ البانی نے ص:۲۸۵ پر ان آئمہ کی فہرست دی ہے جنہوں نے اسے ضعیف کہا۔

① البخاری ② الترمذی

③ العقیلی ④ الدارقطنی

⑤ ابن حزم ⑥ ابن طاہر

⑦ ابن الجوزی ⑧ الذھبی

⑨ السبکی ⑩ ابن حجر

وہ کہتے ہیں کہ اتنی بات تو درست ہے کہ نص کے نہ ہونے کی صورت میں اجتہاد کیا جائے گا مگر کتاب وسنت کی تفریق درست نہیں کیونکہ سنت کتاب کے مجمل کی وضاحت کرتی ہے، اس کے مطلق کو مقید کرتی ہے کتاب کے عام کی تخصیص کرتی ہے۔(۷۳)

(۱۹) اطلبوا العلم ولوکان بالصین کے بارہ میں ڈاکٹر صاحب نے خود اعتراف کیا کہ ہمارے محدّثین ٹیکنیکل نقطہ نظر سے معترض ہیں۔(۷۴) لیکن اس کی وضاحت اس انداز سے کی کہ شاید یہ صحیح ہے اگر یہ روایت ضعیف ہوتی تو شاید قبول کرلی جاتی اورڈاکٹر صاحب کی اس سلسلہ میں وضاحتیں یقیناً معلومات میں اضافہ کا سبب بنتیں ہیں لیکن محدّثین نے تو اسے موضوعات میں شمار کیا ہے۔

ملاحظہ فرمائیے۔

میزان الاعتدال (۷۵) ، سلسلة الاحادیث الضعیفه والموضوعة (۷۶)

تنزیه الشریعة (۷۷) ، فیض القدیر (۷۸)

(۲۰) غزوۂ بدر کے قیدیوں کے بارے میں آقا کریم ﷺ نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا۔حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مشورہ کے موافق آپ نے فدیہ لینے کا فیصلہ کرلیا۔اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہ آیا تو فرمایا:

لَوۡلَا کِتٰبٌ مِّنَ اللّٰہِ سَبَقَ......الخ (۷۹)

ڈاکٹر صاحب نے اس آیت کریمہ کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

''اگر پہلے ہی اللہ اس کا فیصلہ نہ کر چکا ہوتا (تا کہ اس پرانے قانون کو بدلا جائے) تو تم جو فدیہ لے رہے ہو اس پر تم لوگوں کو سخت سزا دی جاتی۔''

توجیہہ انتہائی غیر مناسب معلوم ہوتی ہے۔ آیات کے سیاق وسباق سے جو تاویل بہتر معلوم ہوتی ہے وہ مولانا امین احسن اصلاحی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''بہر حال ہمارے نزدیک یہ خطاب قریش سے ہے اور یہ ان کے اس پروپیگنڈے کا جواب دیا جا رہا ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔ فرمایا کہ اس قسم کی دنیا طلبی تمہارا ہی شیوہ ہے۔ اللہ تو آخرت کو چاہتا ہے۔ یہاں اسلوب بیان کی یہ بلاغت ملحوظ رہے کہ یہ نہیں فرمایا کہ نبی اور اہل ایمان آخرت کے طلب گار ہیں بلکہ یہ فرمایا کہ اللہ آخرت کو چاہتا ہے۔ اس سے مقصود اس حقیقت کا اظہار ہے کہ نبی اور اہل ایمان کے ہاتھوں جو کچھ ہو رہا ہے یہ ان کی اپنی مرضی سے نہیں ہو رہا ہے بلکہ اللہ کی مرضی اور اللہ کے حکم سے ہو رہا ہے۔ نبی اور اہل ایمان کی حیثیت اس سارے کام میں محض آلہ اور واسطہ کی ہے وہ جو کچھ کر رہے ہیں یہی عین اللہ کا ارادہ اور اس کی مرضی ہے۔ اللہ کی مرضی اپنے بندوں کے لیے یہ ہے کہ وہ ہر کام آخرت کو اپنا نصب العین بنا کر کریں تو نبی اور اس کے ساتھیوں کا کوئی اقدام اللہ کی مرضی کے خلاف کس طرح ہو سکتا ہے۔ گویا بدر اور اس سلسلہ کے تمام اقدامات کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لے لی۔ آخر میں فرمایا کہ اللہ عزیز وحکیم ہے۔ وہ جو ارادہ فرماتا ہے اس کو کوئی روک نہیں سکتا اور اس کا ہر ارادہ عدل وحکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

﴿ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْم ''﴾. یعنی تم نے اتنے ہی پر یہ واویلا برپا کر رکھا ہے۔ حالانکہ یہ صرف ایک چرکا ہے جو تمہیں لگا ہے۔ تم نے جو شرارت اس موقع پر کی تھی اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس پر تمہیں ایک عذابِ عظیم آ پکڑتا لیکن اللہ نے چونکہ ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے، جس سے پہلے کسی قوم کا فیصلہ نہیں ہوتا اس وجہ سے اس نے تمہیں مہلت دے دی۔ مطلب یہ ہے کہ اس شور وغوغا

کے بجائے بہتر یہ ہے کہ اس مہلت سے فائدہ اٹھاؤ اور اس فیصلہ کن گھڑی کے آنے سے پہلے پہلے اپنی روش کی اصلاح کرلو۔

فِيمَا أَخَذْتُمْ میں مَا کے ابہام کی یہاں کوئی وضاحت موجود نہیں ہے اور اخذ کا لفظ لینے، پکڑنے، اختیار کرنے، کسی ڈھب کو اپنانے، کسی کام کو شروع کرنے سب کے لیے آتا ہے۔ سورۂ توبہ میں ہے وَإِنْ تُصِبْكَ مُصِيبَةٌ'' يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ . (اور اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو یہ منافق کہتے ہیں خوب ہوا ہم نے اپنا بچاؤ پہلے ہی کرلیا تھا) یہاں یہ مطلب ہوگا کہ جو طریقہ تم نے اختیار کیا اس کی بنا پر تم سزاوار تو تھے ایک عذاب عظیم کے لیکن اللہ کے قانون کے تحت تمہیں کچھ مہلت مل گئی۔

ہمارے مفسرین کو ان آیات کی تاویل میں بڑی الجھن پیش آئی ہے۔ ان کے نزدیک یہ نبی ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین پر عتاب ہے کہ وہ زمین میں خوں ریزی کے بغیر بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے پر کیوں راضی ہوگئے۔ صحیح تاویل واضح ہوجانے کے بعد اب اس بات کی تردید کی ضرورت باقی نہیں رہی تاہم چند باتیں ذہن میں رکھیے۔

ایک یہ کہ فدیہ قبول کرنے کے معاملہ میں نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے بالفرض غلطی ہوئی بھی تو یہ کسی سابق ممانعت کی خلاف ورزی کی نوعیت کی غلطی نہیں تھی بلکہ صرف اجتہاد کی غلطی تھی۔ اجتہاد کی غلطی ایسی چیز نہیں ہے جس پر ایسی سخت وعید وارد ہو۔ بالخصوص ایک ایسا اجتہاد جس کی تصدیق فوراً ہی خود اللہ تعالیٰ نے کردی ہو۔

دوسری بات یہ کہ یہ اجتہاد کی غلطی بھی نہیں تھی۔ جنگ کے قیدیوں سے متعلق یہ قانون سورۂ محمد میں پہلے بیان ہو چکا تھا کہ وہ قتل بھی کیے جاسکتے ہیں، فدیہ لے کر بھی چھوڑے جاسکتے ہیں اور بغیر فدیہ لیے محض احساناً بھی چھوڑے جاسکتے ہیں۔

تیسری یہ کہ جہاں تک خوں ریزی کا تعلق ہے، اس کے اعتبار سے بھی بدر میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی۔ قریش کے ستر آدمی، جن میں بڑے بڑے سردار بھی تھے، مارے گئے، کم وبیش اتنے ہی آدمی قید ہوئے۔ باقی فوج بھاگ کھڑی ہوئی تو آخر لڑائی کس سے جاری رکھی جاتی؟

چوتھی یہ کہ یہاں عتاب کے جو الفاظ ہیں وہ قرآن کے مخصوص الفاظ ہیں۔ جو شخص قرآن کے انداز بیان سے آشنا ہے وہ جانتا ہے کہ ان لفظوں میں قرآن نے کٹر کفار ومنافقین کے سوا اور کسی پر عتاب نہیں کیا ہے۔

نقل کرنے میں طوالت ہوگی، جس کو تردد ہو وہ قرآن میں ان تمام مواقع پر ایک نظر ڈال لے جہاں "لَوْلَا كِتٰبٌ مِنَ اللّٰهِ" کے الفاظ سے کسی پر عتاب ہوا ہے۔" (۸۰)

۲۱۔ ڈاکٹر صاحب نے نبی کریم ﷺ کے دور کی تحریرات کے حوالہ سے حضرت تمیم داری کے قبول اسلام کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

"تمیم داری شام کے رہنے والے ایک عیسائی تھے وہ مکہ آتے ہیں، اسلام قبول کرتے ہیں اور پھر اپنے قصے بھی بیان کرتے ہیں۔" (۸۱)

سیر صحابہ پر لکھی گئی کتب کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ حضرت تمیم داری نے ہجرت کے نویں سال اسلام قبول کیا۔ ابن اثیر نے واضح طور پر لکھا ہے:

فاسلم سنة تسع من الهجرة

ملاحظہ فرمایئے اسد الغابۃ (۸۲)، تہذیب التہذیب (۸۳)، الاصابہ (۸۴)

۲۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بحث ومباحثہ کے بعد احادیث کی ضبط تحریر میں لانے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور اس کی وجہ ڈاکٹر صاحب نے یہ بیان کی ہے کہ لوگ قرآن سے غافل نہ ہو جائیں۔ (۸۵)

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ایسی روایات قابل اعتناء نہیں کیونکہ آپ کا حضرت عمرؓ سے سماع ثابت نہیں۔ اس روایت کو خطیب بغدادی نے تقیید العلم (۸۶) اور حافظ ذھبی نے تذکرۃ الحفاظ (۸۷) میں عروہ بن زبیر کی سند سے نقل کیا ہے۔ اسی سند سے محمد مصطفیٰ اعظمی نے دراسات فی الحدیث النبوی (۸۸) میں بیان کیا ہے۔

۲۳۔ عمرو بن امیہ الضمری کو اس وقت سفیر بنا کر بھیجا جب کہ وہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے اور یہ ۲ ھجری کا واقعہ ہے۔ (۸۹)

یہ بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کو غلط فہمی ہوئی کیونکہ ابن اثیر نے نقل کیا ہے:

واسلم قديما وهومن مهاجرة الحبشة ثم هاجرالى المدينة۔(۹۰)

حالتِ اسلام میں حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے کے بارے میں کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وہ ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے۔ اسی طرح حضرت جعفرؓ کو جو خط دیا اس کے یہ الفاظ ڈاکٹر صاحب نے نقل کئے:

''میں اپنے چچازاد بھائی جعفر کو تیرے پاس بھیج رہا ہوں اور اس کے ساتھ کچھ اور بھی مسلمان ہیں جب یہ تیرے پاس پہنچیں تو ان کی مہمانداری کرنا۔'' (۹۱)

امام زیلعی نے ''نصب الرایہ'' میں ان مکاتیب کو نقل کیا جن میں درج بالا جملہ مذکور نہیں۔ (۹۲)

ڈاکٹر صاحب نے تاریخ الامم والملوک کا جو حوالہ دیا ہے اس کی سند اس طرح ہے:

حدثنا ابن حميد قال حدثنا سلمة حدثنا ابن اسحاق قال:(۹۳)

ابن حمید جو کہ محمد بن حمید الرازی ہے، اس کے بارہ میں امام ذھبی لکھتے ہیں:

قال البخارى:فيه نظروكذبه ابوزرعة وقال فضلك الرازى:عندى عن ابن حميد خمسون الف حديث ولا احدث عنه بحرف۔(۹۴)

ایسے راوی کی روایت جس پر کذب کا الزام ہے کہیں قبول کی جاسکتی ہے؟

۲۴۔ شفاء بنت عبداللہ کے بارے میں ڈاکٹر صاحب نے لکھا کہ انہیں مدینہ کے ایک بازار میں ایک عہدہ پر مامور کیا۔(۹۵)

ڈاکٹر صاحب کا یہ ارشاد تو درست ہے کہ شفاء بنت عبداللہ پڑھی لکھی خاتون تھیں مگر بازار میں ڈیوٹی والی بات درست نہیں۔

امام قرطبی لکھتے ہیں:

وقد روی عن عمر انه تقدم امرأة علی حسبة السوق ولم یصح فلا تلتفتوا الیه، فانما هومن دسائس المبتدعه فی الاحادیث۔(۹۶)

۲۵۔ خطباتِ بہاولپور کے ص:۸۰ پر ڈاکٹر صاحب حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ، گورنر بصرہ کے سیکرٹری کے حوالہ سے لکھا کہ حضرت عمرؓ نے بدلنے کا حکم دیا لیکن یہ بات آپ نے صرف اس حد تک ہی نہ فرمائی بلکہ گورنر بصرہ کو جھڑکا بھی۔ جب ابوموسیٰ الاشعری نے عرض کی:

واللّٰه ماتولیته انما کان یکتب۔

''اللہ کی قسم جب میں گورنر بنا تو اس وقت سے یہ کاتب تھا۔''

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

أما وجدت فی اهل الاسلام من یکتب لك۔

''کیا تمہیں مسلمانوں میں سے کوئی نہ ملا جو لکھنے پڑھنے کا کام کر سکے۔''

پھر آپ نے ارشاد فرمایا:

لاتدنهم اذا اقصاهم اللّٰه ولاتأمنهم اذا خانهم اللّٰه ولاتعزهم بعداذا اذلهم اللّٰه فاخرجه۔

امام قرطبی نے بھی تقریباً یہی الفاظ نقل کرنے کے بعد اپنے دور (متوفی ۶۷۱ھ) کا المیہ ذکر کیا ہے۔ ہمیں آج کے دور میں امام کے ان الفاظ پر غور کرنا چاہیے:

وقد انقلبت الاحوال فی هذه الازمان باتخاد اهل الكتاب كتبة وامناء وتسودوا بذلك عند الجهلة الاغبياء من الولاة والامراء۔ (۹۷)

۲۶۔ ڈاکٹر صاحب نے صحیح بخاری کے حوالہ سے بیان کیا ہے:

''شدید مایوسی کے عالم میں ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ نے خودکشی کی کوشش فرمائی، قصہ یہ ہے کہ ایک دن آپ کی چچی، ابولہب کی بیوی نے طعنہ دیا کہ معلوم ہوتا............، ایک پہاڑی کی چوٹی پر چڑھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ چھلانگ لگا کر خودکشی کر لیں..........'' (۹۸)

ڈاکٹر صاحب کے وسعت مطالعہ کا انکار تو نہیں کیا جا سکتا لیکن بعض اوقات ایسی بات ارشاد فرما دیتے ہیں جس سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاید اس موضوع پر علماء کی آراء و نظریات کا تفصیلی مطالعہ کرنے کا موقعہ نہیں مل سکا اس بارے میں ڈاکٹر صاحب کے معاصر پیر محمد کرم شاہ الازہری کے یہ الفاظ قابل غور ہیں:

''کوئی امتی اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک اپنے نبی کی نبوت پر اسے راسخ یقین نہ ہو، اسی طرح نبی پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنی نبوت پر محکم ایمان لے آئے۔ اس لئے ہم سرکارِ دو عالم ﷺ کے بارے میں یہ کیوں کر تصور کر سکتے ہیں کہ حضور ایسا کرتے تھے یا مایوس ہو جاتے کیا نبی کا ظرف اتنا چھوٹا اور حوصلہ اتنا تنگ ہوتا ہے کہ معمولی معمولی بات پر مایوس ہو جائے اور مایوس بھی اتنا کہ زندہ رہنے پر موت کو ترجیح دے۔'' (۹۹)

اس روایت پر الشیخ محمد الصادق ابراھیم عرجون نے ۱۰۰ اصفحات پر طویل بحث کی ہے۔ ابتداء اس جملہ سے کی ہے:

''یہ فقرے جو بدأ الوحی کی حدیث کے ساتھ باہر سے چسپاں کر دیئے گئے ہیں باطل ہیں۔ کھوٹے اور مردود ہیں اور اسکی کئی وجوہات ہیں۔''

① یہ روایت امام زہری کی مرسلات میں سے، درمیان میں دو یا تین واسطوں کا ذکر نہیں۔

② سند کے ساتھ متن کا صحیح ہونا بھی لازم ہے۔

③ نبی کریم ﷺ سے فترۃ وحی کے بارے میں جو روایات مرفوع ہیں اس میں ان باتوں کا ذکر نہیں۔

شیخ عرجون کے ان دلائل کا ذکر کرنے کے بعد پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

''وہ روایت جس میں پہاڑ سے اپنے آپ کو گرا دینے کے ارادے کا ذکر ہے پایۂ اعتبار سے ساقط ہے اس لئے قابل اعتنا نہیں۔'' (۱۰۰)

ضمناً یہ بھی عرض کر دیا جائے کہ ڈاکٹر صاحب نے فترۃ وحی کی مدت ۳ سال بتائی ہے۔(۱۰۱)

اگرچہ شعبی کا یہی قول ہے لیکن اس کے برعکس حضرت ابن عباس نے فترۃ وحی کی مدت صرف چند روز بتائی ہے کیونکہ یہ روایت مرفوع ہے اس لئے شعبی کی روایت سے اقوی اور ارجح ہے۔ (۱۰۲)

بلاشبہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ اس دور میں اپنے فن کے امام تھے لیکن بہرحال انسان تھے ان کی تحقیق میں بھی تسامحات ممکن ہے۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات کو چاہیے کہ خطباتِ بہاولپور اور ڈاکٹر صاحب کی دیگر تصانیف کی روایات کے تنقیدی جائزہ پر ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالہ جات لکھوائے تاکہ بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ خطبہ کی تفاصیل کے لئے اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور جلد ۸۔ص

۲۔ اصفہانی، امام راغب ابوالقاسم الحسین بن المفضل المفردات (متوفی ۵۰۲ھ) بذیل مادہ۔

۳۔ ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، جلد ۱۳۱ عدد ۲ (فروری ۱۹۸۳ء) ص: ۱۵۸-۱۶۰)۔

۴۔ ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، جلد ۱۷۱ عدد ۳ مارچ ۲۰۰۳ء ص ۱۶۵۔

۵۔ ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، جلد ۱۳۱، عدد ۵، مئی ۱۹۸۳ء ص: ۳۹۰۔

۶۔ ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک اگست ۱۹۹۲ء ص: ۴۵-۴۸۔

۷۔ مولانا محمد زاہد ''خطبات بہاولپور'' کا علمی وتحقیقی جائزہ، کراچی ۲۰۰۳ء۔

۸۔ حضرت ام ورقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ایک استفسار) سہ ماہی فکر ونظر، ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد، جلد ۲۶، شمارہ جولائی۔ستمبر ۱۹۸۸ء ص: ۹۱ تا ۱۰۶۔

۹۔ سہ ماہی المعارف، ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۶ء جلد ۲۹، ص: ۲۷ تا ۶۲۔

۱۰۔ ماہنامہ محدث، ادارۃ التحقیق الاسلامیہ، لاہور فروری ۲۰۰۳ء، ص: ۷۲۔

۱۱۔ ماہنامہ ''دعوۃ'' دعوہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، جلد ۹، شمارہ ۱۰، ص: ۳۱ ڈاکٹر حمید اللہ نمبر۔

۱۲۔ خطباتِ بہاولپور، ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد ۱۹۹۹ء ص: ۳۷۵۔

۱۳۔ خطباتِ بہاولپور، ص: ۲۴۔

۱۴۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، دار الفکر ۱۹۸۰ء، بیروت، جلد اول، ص: ۵۶۔

۱۵۔ خطباتِ بہاولپور، ص: ۱۱۔

۱۶۔ الذھبی ابوعبداللہ شمس الدین محمد (ت ۷۴۸ھ۔۱۳۴۷م) میزان الاعتدال جلد ۳، ص: ۳۷۵۔

۱۷۔ نصب الرایہ جلد اول، ص: ۱۹۹۔

۱۸۔ خطباتِ بہاولپور، ص: ۲۰۔

۱۹۔ بخاری، کتاب فضائل قرآن، باب التزویج علی القرآن وبغیر صداق، حدیث نمبر ۴۶۰۳۔

۲۰۔ خطباتِ بہاولپور، ص: ۴۸۔

۲۱۔ مبارک پوری، عبدالرحمٰن، مولانا ''تحفۃ الاحوذی'' جلد۳، ص:۳۷۵۔
۲۲۔ تحفۃ الاحوذی جلد۳، ص:۳۷۵۔
۲۳۔ خطباتِ بہاولپور، ص:۱۵۸۔
۲۴۔ مجمع الزوائد جلد اول، ص:۴۵۔
۲۵۔ تقریب التھذیب ص:۲۲۷۔
۲۶۔ خطباتِ بہاولپور، ص:۱۷۴۔
۲۷۔ مرعاۃ المفاتیح جلد۳، ص:۲۳۳۔
۲۸۔ بنوری، علامہ یوسف، معارف السنن جلد۳، ص:۷۸۔
۲۹۔ معارف السنن جلد۳، ص:۸۶۔
۳۰۔ خطباتِ بہاولپور، ص:۱۹۵۔
۳۱۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم جلد اول ص:۵۰۰، البدایۃ والنھایۃ جلد اول ص:۱۸۲۔
۳۲۔ آلوسی، علامہ روح المعانی جلد اول ص:۳۸۴۔
۳۳۔ سیرت حلبیہ جلد اول ص:۲۷۹-۲۸۰۔
۳۴۔ سرسید احمد خان، خطبات احمدیہ ص:۳۱۹-۳۳۱۔
۳۵۔ تفسیر المنار جلد۴، ص:۴۶۶۔
۳۶۔ الفتح الربانی جلد۲۰، ص:۵۸۔
۳۷۔ منصور پوری، قاضی سلیمان سلمان ''رحمۃ للعالمین'' جلد اول، ص:۳۸۔
۳۸۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری، مکتبہ ضیاء القرآن، لاہور، ضیاء النبی جلد دوم ص:۱۴۶-۱۴۷۔
۳۹۔ خطباتِ بہاولپور، ص:۱۹۶۔
۴۰۔ مسلم، کتاب فضائل صحابہ، باب فی فضائل ابی ذر، حدیث نمبر ۴۵۲۰۔
۴۱۔ خطباتِ بہاولپور:۹۶۔
۴۲۔ روائع البیان جلد۲، ص:۳۷۹-۳۸۰۔
۴۳۔ ابن قیم، ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن ابی بکر الزرعی الجوزیہ (۷۵۱ھ) اعلام الموقعین (اردو ترجمہ) جلد اول ص:۳۵۶۔
۴۴۔ خطباتِ بہاولپور، ص:۸۲۔
۴۵۔ ارواء الغلیل فی تخریج احادیث منار السبیل جلد۶ ص:۳۴۸۔

۴۶۔ خطباتِ بہاولپور،ص:۳۵۸۔

۴۷۔ ملاعلی قاری،موضوعات الکبری ص:۲۴۷،سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ جلد اول،ص:۴۸۰۔

۴۸۔ مختصر المقاصد الحسنۃ ص:۱۴۱-الفوائد للشوکانی ص:۲۸۶۔

۴۹۔ خطباتِ بہاولپور،ص:۳۶۲۔

۵۰۔ صحیح مسلم،کتاب الجہاد،باب کتب النبی ﷺ الی ملوک الکفار یدعوھم الی اللہ عزوجل۔

۵۱۔ خطباتِ بہاولپور،ص:۲۳۵۔

۵۲۔ خطباتِ بہاولپور،ص:۸۱۔

۵۳۔ ابن حجر عسقلانی،فتح الباری جلد ۶،ص:۲۶۴۔

۵۴۔ خطباتِ بہاولپور،ص:۲۴۷۔

۵۵۔ ابن سعد،الطبقات الکبریٰ،ج:۲،ص:۱۰۰۔

۵۶۔ ابن سعد،الطبقات الکبریٰ،ج:۲،ص:۱۰۵۔

۵۷۔ مودودی،سید ابوالاعلیٰ مودودی ''تفہیم القرآن''،مکتبہ ترجمان القرآن،لاہور،جلد:۵ص:۵۶۔

۵۸۔ سہ ماہی ''فکرونظر'' اسلام آباد،ج ،شمارہ ص:۱۰۲۔

۵۹۔ عون المعبود جلد اول ص:۲۳۰۔

۶۰۔ الفتح الربانی جلد ۵،ص:۲۳۴۔

۶۱۔ السنن الکبری،جلد اول،ص:۴۰۶۔

۶۲۔ سنن دارقطنی جلد اول ص:۴۰۳۔

۶۳۔ امام حاکم،المستدرک،جلد اول ص:۲۰۳۔

۶۴۔ صحیح ابن خزیمہ جلد ۳،ص:۸۹۔

۶۵۔ تھذیب التھذیب جلد ۱۱،ص:۱۳۹۔

۶۶۔ تھذیب التھذیب جلد ۶،ص:۱۶۸۔

۶۷۔ الفتح الربانی جلد ۵،ص:۲۳۴۔

۶۸۔ الفتح الربانی جلد ۵،ص:۲۳۴۔

۶۹۔ خطباتِ بہاولپور،ص:۶۵-۶۶۔

۷۰۔ عون المعبود جلد ۴،ص:۱۷۳،کنز العمال رقم الحدیث ۳۸۶۷۴،ترمذی باب ماجاء فی المھدی۔

۷۱۔ میزان الاعتدال جلد ۴، ص: ۳۴۹۔

۷۲۔ خطباتِ بہاولپور، ص: ۷۰۔

۷۳۔ ملخصاً ص: ۲۸۶۔

۷۴۔ خطباتِ بہاولپور، ص: ۲۶۲۔

۷۵۔ میزان الاعتدال، جلد اول ص: ۱۰۷۔

۷۶۔ سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ، جلد اول ص: ۴۱۳-۴۲۱۔

۷۷۔ تنزیہ الشریعۃ، جلد اول ص: ۲۸۵۔

۷۸۔ فیض القدیر، جلد اول ص: ۵۴۲۔

۷۹۔ الانفال: ۶۸۔

۸۰۔ اصلاحی، مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، مکتبہ فاران لاہور، جلد ۳ ص: ۵۱۱ تا ۵۱۳۔

۸۱۔ خطباتِ بہاولپور: ص: ۴۱۔

۸۲۔ اسد الغابہ، جلد اول ص: ۲۱۵۔

۸۳۔ تہذیب التھذیب، جلد اول ص: ۵۱۱۔

۸۴۔ الاصابہ، جلد اول ص: ۱۹۱۔

۸۵۔ خطباتِ بہاولپور، ص: ۵۵۔

۸۶۔ خطیب بغدادی، تقیید العلم، ص: ۵۱۔

۸۷۔ تذکرہ الحفاظ، جلد اول، ص: ۵۔

۸۸۔ اعظمی، محمد مصطفیٰ، دراسات فی الحدیث النبویؐ، جلد اول ص: ۱۳۱۔

۸۹۔ خطباتِ بہاولپور، ۳۷-۳۷۱، ۲۱۰۔

۹۰۔ ابن الاثیر، ابوالحسن علی بن محمد الجزری (۶۳۵ھ)، اسد الغابہ، قاہرہ ۱۹۷۰، جلد ۴، ص: ۸۷۔

۹۱۔ خطباتِ بہاولپور، ص: ۴۱، ۳۶۱۔

۹۲۔ نصب الرایہ جلد ۴، ص: ۴۲۱۔

۹۳۔ الطبری، ابوجعفر بن محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، دار الفکر للطباعۃ والنشر بیروت ۱۹۷۹ء جلد ۲، ج: ۲۹۴۔

۹۴۔ میزان الاعتدال جلد ۳ ص: ۵۳۰۔

۹۵۔ خطباتِ بہاولپور، ص: ۲۶۵۔